نے اعلان کیا کہ جو کوئی سید محمد علی واعظ رامپوری کی ارادت اور بیعت سے توبہ نہ کرے، اس کو سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیا جائے گا۔

اس پر بس نہیں کیا گیا، بلکہ تین دن بعد ۱۱۔ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ کو سید واعظ موصوف کے کفر کا فتویٰ دیا گیا۔ اور ان کو واجب القتل قرار دیا گیا۔۔۔۔ اور چونکہ نواب صاحب کو کسی کے قتل کرنے کے اختیارات نہیں تھے، اس لئے مجبور ہو کر ایک دوسرا اشتہار نامہ لکھا گیا۔

ان واقعات کی ابھی اور تفصیل ہے جو مصنف نے اس کتاب میں دی ہے۔ لیکن میں ان اقتباسات کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ اس امید کے ساتھ کہ یہ افسوس ناک واقعات ہم سب کے لئے عبرت کا سامان ہوں گے، اور ہم سب اس سے سبق لیں گے۔ ایک اصلاحی دینی تحریک جسے شروع میں عوام نے کس طرح لبیک کہا، اور اس سے عملاً کتنے اچھے نتائج نکلے آگے چل کر اس نے کیا صورت اختیار کر لی، اور عوام اس سے کس قدر برافروختہ ہو گئے، یا برافروختہ کر دیئے گئے، اس پر اس تحریک کے حامیوں اور جو اس سے متفق نہیں دونوں کو آج کے حالات میں ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے، اور خود مصنف نے بھی ان بحثوں کے متعلق یہی لکھا ہے۔

"ان مسائل میں علماء کے خیالات کبھی متفق نہیں رہے ہیں۔ نقطۂ نظر کا ہمیشہ سے اختلاف رہا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ان بحثوں کو پڑھ کر اپنے لئے عمدہ ہدایت کی راہ پیدا کریں۔"

ضیاء

ایک استفسار

تاریخی اور بڑی شخصیتوں کو ماننے والے عام طور سے دو طبقوں میں بٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک طبقہ کسی بڑی شخصیت کو بغیر کسی علمی واسطے کے از خود اپنانے کی کوشش کرتا ہے اور اس میں وہ تمام تر اپنی ذاتی رائے کو ذریعہ بناتا ہے۔ چنانچہ یہ طبقہ اس شخصیت کے افکار و نظریات کی اپنی سمجھ اور مزاج کے مطابق توجیہ کرتا ہے، اور اسے اس قالب میں ڈھالتا ہے جو اس کو مرغوب ہوتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جیسے جیسے وقت گزرتا ہے اور وہ بڑی شخصیت تاریخی لحاظ سے دور ہوتی جاتی ہے، اس کے افکار و نظریات میں تغیر و تبدل ہوتا چلا جاتا

ہے اور ہر بعد میں آنے والا ان کی اپنی تعبیر و توجیہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اس طبقے کی ایک نسل اس شخصیت کو ایک رنگ میں دیکھتی ہے اور اس کے افکار و نظریات کو اپنے مخصوص معنی پہناتی ہے، اور اس کے بعد جو نسل آتی ہے، اس کا اس شخصیت اور اس کے افکار و نظریات کے متعلق بالکل دوسرا نقطۂ نظر ہوتا ہے، وہ اسے اور شکل میں پیش کرتی ہے، اس سے نہ صرف اس شخصیت کا صحیح مقام اور اس کی اصلی دعوت مبہم ہو کر رہ جاتی ہے، بلکہ بڑی شخصیت اور اس کے ماننے والوں کے درمیان وہ فکری تسلسل نہیں رہتا، جو ذہنی توازن کے لئے ضروری ہوتا ہے، جس سے انسان فکری انتشار سے محفوظ رہتا ہے۔ اور جذباتی لحاظ سے ماننے والے اس شخصیت سے وابستہ رہتے ہیں

ایک بڑی شخصیت کو براہ راست اور علمی واسطے کے بغیر ماننے کا مدّعی یہ طبقہ بالعموم ان افراد پر مشتمل ہوتا ہے، جو اس شخصیت کے افکار و نظریات کو اپنے من ملنے معنی پہنا کر خود اپنے آپ کو آگے کرنا چاہتے ہیں، اور ان کے پیش نظر اپنا وقار قائم کرنا ہوتا ہے۔ جب اس پر اہل علم کی طرف سے ان کی گرفت ہوتی ہے، تو ان کا یہ جواب ہوتا ہے کہ بے شک اصل افکار و نظریات تو اسی شخصیت کے ہیں، ہم نے البتہ ان کی عام فہم زبان میں تشریح کی ہے، لیکن عوام کے سامنے ان کا موقف دوسرا ہوتا ہے۔ وہ اپنی توجیہ اور تفسیر کو ایک مستقل حیثیت دیتے ہیں اور خود صاحب دعوت بن جاتے ہیں اس طرح بڑی شخصیت کا مقام اس کا فلسفہ اور اس کے افکار و نظریات تو ثانوی درجہ پر آجاتے ہیں اور ان کی اپنی شخصیت مقدم ہو جاتی ہے۔

کسی بڑی شخصیت کو ماننے والوں کا دوسرا طبقہ وہ ہوتا ہے، جو اس شخصیت اور اس کے افکار و نظریات کو ان علمی واسطوں کے ذریعہ مانتا ہے جن سے اس تک اس شخصیت کے افکار نظریات پہنچے ہوں۔ وہ ان علمی واسطوں کے ذریعہ اس بڑی شخصیت سے تاریخی، ذہنی اور جذباتی تسلسل قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس طرح اس کے افکار و نظریات سے رُشد و ہدایت حاصل کر کے عملی زندگی میں انہیں شمع راہ بناتا ہے۔ یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل چلا جاتا ہے۔ چنانچہ بڑی شخصیت کے افکار و خیالات میں تحریف بھی نہیں ہو پاتی۔ اور ان سے استفادہ کرنے والوں کے ہاں ساتھ

ساتھ فکری ارتقار بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس طبقے کا فکر و عمل ایک مسلسل تحریک کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ جس کے آگے بڑھنے کے بڑے مواقع ہوتے ہیں۔ غرضیکہ اس طرح بڑی شخصیت کا اصل فلسفہ، اس کے نظریات اور تعلیم ہمیشہ کے لئے ان قدروں کی شکل میں محفوظ ہو جاتی ہے جو اس کے پیش نظر تھی، اور بعد میں آنیوالوں کی توجیہات و تشریحات اس شخصیت کی اصل تعلیم کو مسخ نہیں کر سکتیں۔

اس تمہید کے بعد میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے ارباب اختیار سے ایک استفسار کرنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ آپ نے اس اکیڈمی کے ذریعہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات اور ان کے فلسفہ و حکمت کی نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ایک ماہنامہ کا اجرا کیا گیا ہے، اور اس موضوع پر کتابیں لکھوانے اور چھپوانے کا ارادہ بھی ہے اس ضمن میں عرض یہ ہے کہ کیا شاہ ولی اللہ اکیڈمی حضرت شاہ ولی اللہ تک بلا کسی علمی واسطے کے پہنچنا چاہتی ہے، یا وہ اس میں کسی واسطے کو مانتی ہے۔ اور اگر وہ مانتی ہے، تو وہ کون سا علمی واسطہ ہے جس سے یہ استفسار کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی ہے کہ آج حضرت شاہ صاحب کے نام سے بہت سے لوگ بہت سی باتیں کہہ رہے ہیں۔ اگرچہ آزادئ رائے کے اس زمانے میں ہم کسی پر اس بارے میں کوئی پابندی نہیں لگا سکتے۔ لیکن جہاں تک شاہ ولی اللہ اکیڈمی کا تعلق ہے، اگر وہ فکر ولی اللہی کی نشر و اشاعت میں اپنی ایک سمت معین کرے، اور ان علمی واسطوں کو اپنے سامنے رکھے جن کے ذریعہ شاہ صاحب کو سمجھا اور دوسروں کو انہیں سمجھانا چاہتی ہے، تو اس کا کام قدرے آسان ہو جائیگا۔ اور اس سے قوم و ملک کو زیادہ فائدہ بھی پہنچے گا۔ (الراقم ظہیر الحق دین پوری۔ خان پور)

تعمیری پہلو سامنے رکھئے

مکرمی ....

ماہنامہ الرحیم پڑھا...... اس وقت ابتدائی منزل میں شاہ صاحب کا تعارف حکیمانہ طرز پر کرانا چاہیئے۔ جس طرح کہ حکیم کسی عمومی اختلافی بحث میں حصہ لیکر رائے عامہ کو اپنے خلاف کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس ابتدائی دور میں لکھنے والوں کو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ شاہ صاحب کے افکار اور نظریات کے اس حصے کو بیان کریں جس میں تعمیری پہلو زیادہ پایا جائے۔ اور ان مسائل کو عام کریں، جو عوامی ضروریات سے قریبی تعلق رکھتے ہوں۔ تاکہ رائے عامہ اس کے حق میں ہو جائے۔

شاہ صاحب کے نظریات اور افکار کو عوام تک پہنچانے کی کوشش کا واحد مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ اس ترقی یافتہ مادی دور میں مذہب کو انسان اپنی طبعی ضرورت سمجھ کر اسے اپنا سکے اور یہ ولی اللہی نظریات کو سمجھے بغیر میسر نہیں آسکتا۔ شاہ صاحب میں بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ سیاسیات، معاشیات اور اجتماعی اخلاق کو اسلامی قدروں پر عقلی دلائل سے اس طرح واضح کرتے ہیں کہ انسان انہیں اپنے ضمیر کی آواز سمجھنے لگ جاتا ہے مذہب اور سیاست ایک ہو جاتے ہیں۔ اکیڈمی کو اپنی علمی سرگرمیوں میں خاص طور سے یہ چیزیں سامنے رکھنی چاہیئں۔

ایک قاری۔ از بہاولپور